مرکزی صدر ملک ربنواز چنیوٹی۔ ناظم اعلیٰ محمد عباس نجمی ناظم نشریات محمد یوسف سیال۔ عبداللطیف خالد چیمہ۔ عبدالکریم قمر سید کفیل بخاری۔ راقم اور دوسرے کارکنوں نے اس تحریک میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ خصوصاً ملک ربنواز چنیوٹی پر کئی ایک مقدمات قائم ہوئے وہ کئی بار جیل گئے۔ ایک صوبائی وزیر بے تدبیر نے اُن کا سر قلم کرنے کی خواہش کا اظہار بھی کیا لیکن ع جسے اللہ رکھے اُسے کون چکھے

بالآخر عوامی مطالبہ کے سامنے حکومت کو جھکنا پڑا اور پھر ۷ ستمبر ۱۹۷۴ء کو قومی اسمبلی میں شہدائے ختم نبوت ۱۹۵۳ء کا خون بے گناہی رنگ لایا۔ امیر شریعتؒ کی محنت ثمر لائی اور مرزائیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دے دیا گیا۔

اس سلسلہ میں مجلس احرار کی جدوجہد کو تاریخ فراموش نہیں کر سکتی۔ خود جماعت اسلامی کے رہنما اور قومی اسمبلی کے سابق رکن جناب پروفیسر عبدالغفور نے رحیم یار خان میں انہی دنوں ایک استقبالیہ سے خطاب کرتے ہوئے کہا:

"مسئلہ ختم نبوۃ کی کامیابی مجلس احرار اسلام کی گزشتہ چالیس سالہ مساعی جمیلہ کا نتیجہ ہے"۔ (بحوالہ نوائے وقت۔ لاہور)

اس طرح آج کے دن ______ مرزائیوں کو مسلمانوں سے الگ اقلیت قرار دے کر ان کے نام بابیوں، بہائیوں، سکھوں، ہندوؤں اور عیسائیوں کی فہرست میں داخل کر دیئے گئے اور بقول کسے ع

مرزائیوں کا نام ذرا دیر سے مٹا
حق کے جلال سے یہی ایک ڈھیل ہو گئی

یہ مجلس احرار اسلام کے زعماء اور تحریک تحفظ ختم نبوۃ کے مخلص و ایثار پیشہ کارکنوں کی قربانیوں کا ہی نتیجہ تھا کہ پھر یہ مسئلہ ہر دل کی دھڑکن بن گیا اور تحریک تحفظ ختم نبوت میں برابر جوش و جذبہ پیدا ہوتا گیا تا آنکہ ۱۹۸۴ء میں جنرل محمد ضیاء الحق شہید کے دور میں امتناع قادیانیت آرڈیننس جاری ہوا جسے اسمبلی نے منظور کر کے آئین کا حصہ بنا دیا اور آج مرزائی نہ تو اسلام کی تبلیغ کے نام پر کوئی دھوکہ دے سکتے ہیں اور نہ ہی اسلامی شعائر اپنا سکتے ہیں۔ ربوہ میں مسلمانوں کے سب سے پہلے تبلیغی مرکز اور سب سے پہلی جامع مسجد "مسجد احرار" میں محاسبہ مرزائیت کا کام پہلے سے کہیں زیادہ شدت سے جاری و ساری ہے۔ مجلس احرار اسلام کے شعبہ تبلیغ "تحریک تحفظ ختم نبوۃ کی سرگرمیاں عروج پر ہیں۔ برطانیہ میں بھی ختم نبوت مشن قائم ہو چکا ہے۔ ملک بھر میں سات دینی مدرسے اس مشن کے تحفظ و بقا کی محنت مسلسل میں مصروف ہیں مرزا طاہر فرار ہو کر لندن جا بیٹھا ہے۔

ہم اپنے اسلاف کے سامنے سر بلند ہیں اور اُن کی روحیں ہم پر نازاں ہیں جب تک احرار زندہ ہیں عقیدہ

جہانِ نسواں

آپا ھندہ

پچاس برس پہلے

بیالیس سال پہلے جب میں ۱۲ برس کی تھی تو ہماری سماجی اقدار اور انسانی رویے کچھ یوں تھے ۔

ماں باپ، چچا ماموں، پھوپھا خالو، نانی نانا، دادا دادی خاندان میں نہایت باعزت رشتے سمجھے جاتے تھے ان کی بات گویا برادری کے مسائل میں حرفِ آخر ہوتی تھی اور برادریاں ایسے بزرگوں میں سے کسی ایک کی فیصلہ کن بات پر ہزار قالب دیک جان ہو جاتی تھیں ۔

ہم نوجوان لڑکیاں اور لڑکے تو بڑوں کی مجلس میں بیٹھ کر صرف کچھ سیکھا کرتے تھے۔ اور اگر مسائل کے حل میں رکاوٹ پیدا ہوتی تو بڑے ادب سے بزرگوں سے اجازت لیکر کوئی مختصر بات کہہ دیتے وہ قابلِ قبول ہوتی تو تحسین و آفرین کیا تھ قبول کر لیتے ورنہ خاموشی اختیار کرتے ۔ مجھے یاد ہے کہ میرے رشتہ داروں میں کچھ لوگ بہت مالدار تھے اور یہ اصول ہے کہ جہاں سرمایہ ہوگا وہاں تہذیبی روایات بھی سرمایہ داری کے بدلتے رجحانات کے ماتحت بدلتی رہیں گی ۔ چنانچہ ہمارے ان رشتہ داروں نے بھی اپنے ماضی سے رشتہ توڑنے کی راہ اپنا لی تھی میرے والد صاحب مرحوم نے مجھے ان سے پردہ کا حکم دیا والد صاحب سے زیادہ میری والدہ صاحبہ نے زیادہ سختی سے اپنے عزیزوں کو کہا کہ آواز دیئے بغیر اندر مت آیا کرو کچھ عرصہ تو وہ آتے جاتے رہے ۔ مگر پھر ان کی آمد و رفت رک گئی میں اپنے چھٹپنے کے باوجود سوچا کرتی تھی کہ نجانے خالہ جی نے آنا جانا کیوں چھوڑ دیا اور بہن بھائی بھی کئی کئی مہینے نظر نہ آتے یہ بات میری سمجھ میں نہ آتی لیکن جیسے جیسے شعور کی وادی میں اترتی گئی ۔ یہ گتھیاں سلجھتی گئیں پھر ایک روز

خالہ جی آئیں تو انہوں نے اماں جی سے بڑے زور طریقے سے گلہ کیا کہ تم نے میرے بچوں کو غلط سمجھا اور ان سے اپنی بیٹی کا پردہ کروالیا اماں جی نے کہا کہ بہن اس میں غصہ کی کونسی بات ہے میں دیکھ رہی ہوں دن بدن آپ کے گھر کے حالات بدل رہے ہیں بچوں نے ڈاڑھیاں منڈوادی ہیں نماز کے قریب تک نہیں جاتے فلموں کے شوقین ہیں۔ بازاروں میں بھی گھوما گھامی کرآتے ہیں یہ باتیں مجھے ہرگز اچھی نہیں لگتیں اس لئے میں نے مناسب یہی سمجھا کہ فاصلہ رکھا جاتے ——— دوسری بات یہ ہے کہ رشتہ داری تو مجھ سے ہے نا۔ اور میری وجہ سے میری اولاد آپ اور ان بچوں کی رشتہ دار ہے۔ میرے بچوں کی وجہ سے رشتہ داری نہیں ہے وہ مجھے نہیں ملتے تو ان کے کیا لگتے ہیں آپ بھی تو شہر میں رہتی ہوتی ایک سال بعد آئی ہیں آخر یہ بھی کیا بات ہوتی بجائے اس کے کہ آپ اپنے بچوں کو یہ بات سمجھائیں آپ نے انہیں شہ دی ہے اور ان کی نظروں میں مجھے قصور وار ٹھہرایا ہے آپ کی عقل کو کیا ہوا ؟

آپ کو وہ دن یاد نہیں جب ہم گھر میں بیٹھی بیجہ خاکات رہی تھیں اور محلہ کی بہت سی لڑکیاں بھی اس روز ہمارے ہاں جمع ہو کر جہ غاکات رہی تھیں (جسے ہم پنجابی میں "ربھورہ" کہتے ہیں) تو تایا حافظ جی صاحب مرحوم گھر تشریف لائے مگر ہم سب ہنسی کھیلتی اپنے کام میں میں لگی ہوئی تھیں تقریباً سب کے سروں پر سے دوپٹے سرک گئے تھے لیکن ہم ایسی گم تھیں کہ ان کا پتہ تک نہ چل سکا وہ بھی کچھ دیر خاموشی سے چارپائی پر بیٹھے ہمیں دیکھتے رہے پھر اچانک انہوں نے ایک زوردار کھنگورا "مارا ہم ٹھٹھک گئیں میں نے ان کی طرف آنکھ اٹھا کر دیکھا تو انہوں نے سر کی طرف اشارہ کر کے متوجہ کیا پھر کیا تھا ہم احساس ندامت میں ڈوب گئیں اور یہ فکر دامن گیر ہوئی کہ نہ جانے تایا جی کب سے ہمیں اس حالت میں دیکھ رہے تھے وہ ہمارے بارے میں کیا سوچتے ہوں گے۔ ہم میں سے تمہیں وہ تھیں جو کئی روز تک شرم کے مارے سامنے نہ آتی تھیں کہ مبادا تایا جان جو تم سے بہت پیار کرتے تھے اس دانستہ حرکت پر ملامت کریں۔ اور آج یہ تم ہی نئی پٹی پڑھانے کے لئے آ بیٹھی ہو یہ تمہارا قصور نہیں یہ نتیجہ ہے

بڑی حیثیت والوں کی سنگت کا اور شیخ صاحب کی ولائتی بہو سے گھلنے ملنے کا۔ تمہارے پاس دولت کیا آئی کہ تم نے تمام رویّوں کو تبدیل کر لیا ہے۔ خالہ جی سٹپٹا اٹھیں اور صرف اتنا کہا کہ آپا اب بس کرو، بہت ہوگئی، تم ٹھیک کہتی ہو اس میں میرا بھی قصور ہے یہ جو آپ کے بھائی صاحب ہیں انہوں نے مجھے بڑے لوگوں کی حرام خور فیشن ایبل بیگمات کے ہاں آنے جانے پر مجبور کیا ان کا بڑا وسیع کاروبار ہے ایک انگریز افسر اور اس کی بیوی بھی ان کے ہاں آتی جاتی تھی میں تو شروع شروع میں ویسی ہی تھی لیکن یہ کہنے لگے تم نے میری ناک کٹوادی میں نے کہا کیا ہوا۔ کیا شکایت ہے مجھ سے؟ تو کہنے لگے میں دوسری شادی کر لوں گا جو نئے طریقوں سے آشنا ہوگی تم تو بس ایسی ہی ہو میں نے ان کی اس خواہش کو پورا کیا ہے۔ اب آپ بتائیں ایک طرف تو آپ کہتی ہیں کہ حضور پاک علیہ السلام کا حکم ہے کہ خاوند کی مکمل اطاعت کرو اور اب جو اطاعت کی ہے تو ڈانٹ رہی ہیں۔ میں کہاں جاؤں کیا کروں۔

یہ کہہ کر خالہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگیں اور برسوں کا بند آج ٹوٹ گیا۔ اماں جی نے بڑھ کر گلے لگا لیا منہ چوما تسلیاں دیں اور کہا تم بالکل صحیح کہتی ہو یہ خورشید صاحب کے سرمایہ دارانہ مزاج کی بُرائی ہے تم صحیح کہتی ہو تمہارے لئے بہت مشکل ہے لیکن صدیقہ ایک بات یاد رکھو ہمیں اللہ اور اس کے پاک رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حکم یہ دیا ہے کہ خاوندوں کے وہ حکم جو اللہ اور اس کے رسولؐ کے احکام سے نہ ٹکراتے ہوں وہ پورے کئے جائیں شوہروں کے وہ مطالبات جن کی تعمیل سے اللہ اور رسولؐ ناراض ہوتے ہوں ہرگز ہرگز ہمیں ماننے کا حکم نہیں ہے اور جو شوہر اللہ و رسول کی نافرمانی میں خوش ہوتا ہے اس سے دامن کشی بہتر ہے بلکہ میں تو کہتی ہوں علیحدگی بہتر ہے خاوند کی ناراضگی، غصہ، اور غضب کے مقابلے اللہ ورسولؐ کی ناراضگی قبولؐ نہ قابل برداشت ہے شوہر صاحب چھوڑے جا سکتے ہیں اللہ ورسولؐ کو نہیں چھوڑا جا سکتا آخر تم نے ہمت کر کے اُسے کیوں قائل نہ کیا۔ آدمی تو پڑھا لکھا اور دھیمے مزاج کا ہے

قصہ کوتاہ خالہ جی نے یہ تمام تقریر اذبر کی۔ اور ہمارے خالو جی کو اسی شام "فل ڈوز" دیدی

خالو جی منہ سے تو کچھ نہ بولے تیسرے دن مع بیگم کے آدھمکے۔

خالو جی آج کئی ماہ بعد ہمارے گھر آتے تھے۔ مجھے ان سے بہت پیار تھا میں لپٹ کے خوب رُوئی اور بہت سا گلہ کیا کہ خالو جی ہم لوگ چونکہ غریب ہیں اور آپ سرمایہ دار اور آپ کے ملنے والے بھی سرمایہ دار بڑے بڑے لوگ ہیں اس لئے ہم سے ملنا آپ پسند نہیں کرتے خالو جی چونک اٹھے جیسے میں نے ان کی دکھتی رگ پر نشتر لگا دیا ہو۔ نہیں نہیں بیٹی میں ان لوگوں میں سے نہیں میری کاروباری مصروفیات ہیں میں نے بات ہی کاٹ لی اور کہا کہ شیخ قمر حسین کے تو ہر تیسرے چوتھے جا براجمان ہوتے ہیں ایک انگریز افسر کے دربار میں روز شام کو چوکی بھرتے ہیں۔ سیٹھ غلام حسین کی ولائتی بہو سے ملنے بال بچوں سمیت ہر ہفتہ چلے جاتے ہیں نہیں وقت ملتا تو ہم سے ملنے کو نہیں ملتا اماں جی نے بھی میری تائید کی۔ بس پھر کیا تھا خالو جی پھٹ پڑے کہ آپ لوگ زمانے کے ساتھ نہیں چلتے آپ سے کون ملے نہ آپ فیشن کریں نہ لوگوں کے ہاں آنا جانا نہ آپکے گھر میں بیٹھنے اٹھنے کے لئے کوئی معقول جگہ ! اس چوکی پر کون آکے بیٹھے گا۔ بھابی کچھ تو انصاف کرو۔ اماں جی کا ضبط بھی جاتا رہا اور وہ چیخ اٹھیں۔ خورشید

تمہاری پسند و ناپسند اور تمہارے ملنے والوں کی خواہشات کا میں احترام کروں اور جس نے تمہیں اور ہمیں پیدا کیا جسم و جان بخشی حسن و جمال دیا مال دیا عزت و آبرو بخشی اس کی پسند کا احترام نہ کروں اس کی بات نہ مانوں اور تمہارے لئے اس کی ناراضگی مول لوں اپنے آباؤ اجداد کی محنت اکارت کروں اپنی خاندانی اور سماجی روایات کو پامال کردوں یہ مجھ سے تو ہرگز نہ ہوگا۔ میں مرنے کے بعد اس کے جواب کی ہمت نہیں رکھتی تم میں ہمت ہے تو تم خوشی سے اس راستہ پر چلتے چلو میں تمہارا ساتھ نہیں دے سکتی۔ مجھے معاف رکھو۔ نہیں نہیں بھابی آپ تو ناراض ہو گئیں میرا یہ مطلب ہرگز ہرگز نہیں کہ آپ روایات کو پامال کریں لیکن کچھ کچھ تو ہم آہنگی پیدا کریں تا کہ لوگ ہم سے وحشت زدہ نہ ہوں بلکہ ہم کو اپنے برابر کا آدمی سمجھ کر ہم سے ملیں۔ خورشید بھائی پھر وہی بات۔ یہ کچھ نہ کچھ ہم آہنگی کا کیا مطلب؟ بات تو وہی ہے کہ لوگ ہماری روایتی اور سچی اقدار کا احترام نہ کریں ہم انکی روز بروز بدلنے والی اور جھوٹی خواہشوں پر دم دیدیں۔ جس نے ہم سے ملنا ہے بحیثیت انسان کے ملے اور ہمارے اقدار کی عزت و بقار کا خیال کرتے ہوئے ملے

اس روز باتیں تو اِدھر اُدھر کی بھی بہت ہوئیں مگر خالو جی تمام وقت ہمہ تن گوش لیکن سوچوں میں گم، چپ چاپ بیٹھے رہے۔ خالہ جی برقعہ پہن کر دروازے تک پہنچ گئیں۔ مگر خالو جی وہیں بیٹھے تھے۔ آخر اماں جی نے دو تین آوازیں دیں تو وہ چونک کر بولے جی آیا۔ اوہ، میں آ رہا ہوں۔ میں اور اماں جی نے انہیں رخصت کر کے واپس اپنے کمرے میں آئے تو رات کافی بھیگ چکی تھی۔ ہم سو گئے۔ چھوٹے بہن بھائی پہلے ہی سو گئے تھے چند دنوں بعد خالہ تمام بال بچوں سمیت ہمارے ہاں آئیں اور اس طرح ان کی تو جیسے کایا پلٹ گئی تھی۔ خالو جی کی چھوٹی خشخشی ڈاڑھی اب مسنون ہو چکی تھی۔ باجی قمر النساء کی ٹیڑھی ٹانگ سیدھی بھائیوں کی چھوٹی چھوٹی خوبصورت ڈاڑھیاں سرخ و سفید چہروں پر سجی ہوئی تھی۔ اماں جی نے مجھے آواز دی صالحہ تم کہاں ہو دیکھو اللہ کے رنگ آج تمہارے خالو، خالہ بہن اور بھائی زندگی کی درست سمت میں داخل ہو گئے ہیں آؤ بیٹی ان سے ملو اور اکٹھے کھانے کا بھی بندوبست کرو۔ کھانے پر بیٹھے تو اس کا مزہ ہی اور تھا۔ اور وہیں بیٹھے بیٹھے گفتگو کا آغاز ہو گیا تو خالو جی نے دوران گفتگو بتایا کہ مجھے اس جدید راہ پر ڈالنے والا وہ انگریز جوڑا تھا وہ دونوں خاوند بیوی صاف اردو بولتے تھے ہر نشست اور ملاقات میں وہ ہماری پسماندگی اور دقیانوسیت کا طعنہ دیا کرتے تھے اور اس میں تبدیلی لانے کا پروگرام بناتے تھے۔ یہ جتنی ماڈرن فیملیاں میرے گرد ہوتی تھیں وہ اسی جوڑے کی کدوکاوش کا نتیجہ تھا۔ بھابھی کو اللہ جزائے خیر دے انہوں نے میری آنکھیں کھول دیں کہ میں نے جو کچھ بھی تبدیلی پیدا کی تھی وہ صرف اس جوڑے اور اس کے حلقہ احباب سے۔ برابری اور مماثلت پیدا کرنے کے لئے اور اس غلط فہمی کی بنیاد پر کہ یہی بڑے لوگ ہیں۔ لیکن جب بھابھی نے یہ کہا کہ ناجائز خواہشات کی تکمیل کے لئے اللہ و رسولؐ کی پسند کو چھوڑنا ہی بنیادی غلطی ہے اور اسی سے سماجی روایات پامال ہوتی ہیں۔ اور معاشرتی رویے مجروح ہوتے ہیں تو میں نے گھر جا کر مسلسل اِس فقرے کے تناظر میں جھانکا خوب غور و فکر کیا تو بات میری سمجھ میں آ گئی کہ یورپ نے ہماری سیاسی زندگی چھین کر پوری طاقت اس بات پر لگا دی ہے